# علامہ اقبال کے فکری نظام کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of Allama Iqbal's Intellectual System

**ڈاکٹر محمد شوکت علی**

پوسٹ ڈوکٹریٹ فیلوشپ، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

## Abstract

This study presents an analytical examination of the intellectual system of Allama Iqbal, focusing on the fundamental concepts that shape his philosophical and ideological framework. Iqbal's thought is not confined to poetry alone; rather, it represents a comprehensive system integrating philosophy, religion, politics, and ethics. The research explores key elements of Iqbal's intellectual vision, including the concept of *Khudi* (selfhood), the idea of a dynamic universe, the role of human agency, and his critique of Western materialism. Through a critical and analytical approach, the study highlights how Iqbal reinterprets Islamic thought in response to modern intellectual challenges. The paper also examines the relevance of Iqbal's ideas in the contemporary world, particularly in relation to identity, freedom, and spiritual renewal. The findings suggest that Iqbal's intellectual system offers a coherent and progressive framework that encourages self-realization, social responsibility, and moral consciousness, making his thought both timeless and applicable to modern socio-philosophical debates.

**Keywords :**Allama Iqbal, Intellectual System, Iqbal's Philosophy, Khudi, Islamic Thought, Selfhood, Modernity, Muslim Revival, Critical Analysi

علامہ اقبال کے نظریات و تصورات میں تصورِ جمہوریت، تصوف، خودی اور اجتہاد کو غیر معمولی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ تصورات محض فکری مباحث تک محدود نہیں بلکہ اقبال کے پورے فکری نظام کی اساس اور ان کے نظریۂ حیات کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مطالعہ میں ان تمام تصورات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا جارہا ہے، جس کا مقصد فکرِ اقبال کی معنوی وسعت اور فکری انفرادیت کو واضح کرتے ہوئے اس کے امتیازی مقام و مرتبے کا تعین کرنا ہے۔ اقبال کے تصورِ جمہوریت کی بنیاد محض سیاسی ڈھانچے یا عددی اکثریت پر نہیں بلکہ روحانی، اخلاقی اور مذہبی اقدار پر استوار ہے۔ وہ جمہوریت کو اس وقت تک معتبر نہیں سمجھتے جب تک وہ انسانی وقار، روحانی آزادی اور اخلاقی شعور کی محافظ نہ ہو۔ اقبال کے نزدیک وہ جمہوریت جس کی بنیاد دھوکہ، ہوس، لالچ اور منافقت پر ہو، محض اقتدار کی کشمکش کا ایک نام ہے، جس کا حقیقی فلاحِ عامہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایسی جمہوریت کے سخت ناقد ہیں جو سرمایہ دارانہ مفادات یا طبقاتی استحصال کا آلہ بن جائے۔ اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جمہوری نظام سے قائم ہونے والی حکومت عملاً عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے، فرد کو روحانی اور فکری آزادی حاصل ہو اور معاشرہ محض مادی مفادات کے بجائے **روحانی بنیادوں** پر استوار کیا جائے۔

صوف کے باب میں اقبال جامد اور خانقاہی تصوف کے ناقد نظر آتے ہیں، مگر وہ اس تصوف کے قائل ہیں جو انسان کو عمل، خود آگہی اور ذمہ داری کی طرف مائل کرے۔ ان کے نزدیک حقیقی تصوف انسان کو گوشہ نشینی نہیں بلکہ **حیاتِ اجتماعی میں فعال کردار** ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہی تصورِ تصوف، تصورِ خودی سے جڑ کر فرد کو قوتِ ارادی، خود اعتمادی اور تخلیقی شعور عطا کرتا ہے۔ اقبال کا تصورِ خودی ان کے فکری نظام کی روح ہے، جو انسان کو اپنی ذات کی پہچان، کائنات کے ساتھ بامعنی ربط اور خدا سے شعوری تعلق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ خودی محض انانیت نہیں بلکہ ایک ایسی روحانی قوت ہے جو فرد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہے اور اجتماعی

فلاح کے لیے متحرک کرتی ہے۔ اسی خودی کے فروغ کے ذریعے اقبال ایک مضبوط، باوقار اور باکردار معاشرے کی تشکیل کا خواب دیکھتے ہیں۔ اجتہاد کے حوالے سے اقبال اسلامی فکر کو جمود سے نکال کر عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اجتہاد اسلامی معاشرے کی فکری بقا اور ارتقا کے لیے ناگزیر ہے۔ وہ بدلتے ہوئے حالات میں قرآن و سنت کی روشنی میں نئے مسائل کے حل کو اسلامی فکری روایت کا تسلسل قرار دیتے ہیں۔ اسی تناظر میں اقبال **اسلامی جمہوریت** اور **شورائی نظام کو** ایک فلاحی مملکت کی بنیاد سمجھتے ہیں، جہاں قانون سازی، مشاورت اور اجتماعی شعور کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ ڈاکٹر وحید قریشی جمہوریت میں اقبال کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”اقبال جمہوریت کو اخلاقی قدروں کا پابند رکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے جمہوری اداروں کی صحیح خطوط پر نشوونما کے قائل ہیں۔ اس نشوونما کے لیے عوام کی ذہنی تربیت بھی ضروری ہے اور مذہب کا عمل دخل بھی۔ اس لیے اقبال نے اپنے تصور کو خطبات میں روحانی جمہوریت کے نام سے بیان کیا ہے۔ ان کی رائے میں جمہوری قدریں معاشرتی سطح پر پھل پھول نہیں سکیں اور مسلمانوں کو اب آنکھیں کھولنی چاہئیں۔“(۱)

اقبال جمہوریت میں اسلامی نظام کے قول و فعل، رموز و اوقاف اور اقدار و روایات کے قائل ہیں۔ جو نظام اسلام نے پیش کیا ہے اس کو اصل معنوں میں قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔ اسلامی جمہوری نظام عام لوگوں کے حقوق کی پاسداری کا علم بردار اور جمہور کے پوری طرح سے تحفظ کا ضامن ہے۔ مغربی نظام حکومت میں اقتدار اور حاکمیت کو انسانوں سے منسوب کیا جاتا ہے جب کہ اسلامی طرز حکومت میں اقتدار و حاکمیت کا مالک اللہ تعالیٰ کو سمجھا جاتا ہے۔ اسلامی نظام سیاست میں توحید کو اولیت حاصل ہے اور اس کی اطاعت ہی لازم و ملزوم ہے۔ وہ ذات اللہ پاک کی جس کی پیروی و اطاعت ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ اسلام میں قرآن کے نظام کو برتری حاصل ہے اور دنیا و آخرت کی فلاح اس میں مرکوز ہے۔ اسلامی نظام میں بڑائی علم، عمل اور تقویٰ کو حاصل ہے۔ اس کے برعکس مغربی جمہوریت میں دولت کو اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔ مسلمان حکمران کو آمریت سے دور رکھا جاتا ہے اس کے خلاف کوئی بھی مسلمان اعتراض کر سکتا ہے۔ اسلامی حکومت شریعت کی مرہونِ منت ہے اور اس کا اصل مقصد فلاح و بہبود ہے۔ اسلامی نظام میں شریعت اور حکومت ہم آہنگ ہیں۔ اسلامی تمدن مستقل اور پختگی کی علامت ہے اور مغربی تہذیب و تمدن غیر معیاری اور غیر مستقل ہیں۔ اسلامی حکومت میں مسلم اور غیر مسلم کو برابر حقوق دیے جاتے اور رعایا کو مناسب بنیادی حق حاصل ہوتا ہے۔

اسلامی نظام حکومت میں منتخب خلیفہ کو اسلامی اصول و ضوابط سے آگاہ ہونا چاہیے۔ اس کا انتخاب ساری قوم کی اتفاق رائے سے ہوتا ہے۔ اس کا صادق اور امین ہونا ضروری ہوتا ہے اور حکومت امانت کے طور پر اس کے سپرد کی جاتی ہے۔ خلیفہ شوریٰ کے مشورے سے حکومت کی باگ دوڑ کو قائم رکھتا ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ کا خوف اس کے دل میں ہوتا ہے۔ خوف خدا سے اس کے اندر کینہ پروری اور مالی فائدہ کی لت نہیں پڑتی بل کہ عوام کی فلاح و بہبود کی ترویج ہوتی ہے۔ دور حاضر میں جمہوریت ایک دھوکہ بازی اور لالچ کی ایک عظیم داستان ہے جس میں اقتدار میں آنے والے خوب عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں اور عوام کے پیسوں کو اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے چوری کرتے ہیں۔ جمہوری طرز عمل کی وضاحت میں شیخ عمر فاروق لکھتے ہیں:

> ”الیکشن جسے جمہوری طرز عمل کی روح قرار دیا گیا سرے سے دھوکہ اور فراڈ ہے۔ لالچی اور مال دار لوگ اس میں حصہ لیتے ہیں اور دھن دولت کی بنیاد پر وہ اقتدار حاصل کرتے

ہیں جس میں لاکھوں اور اربوں روپیہ پبلسٹی پر ضائع ہو جاتا ہے۔ اقتدار ملنے پر خزانہ عامرہ کا بے دریغ استعمال شروع ہو جاتا ہے۔ اپنے اور اپنی پارٹی کے گھر بار کو بھرا جاتا ہے۔ غریب عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ بڑا کر خزانے کی کمی کو پورا کیا جاتا ہے۔"(۲)

علامہ اقبال جمہوریت کی حقیقی روح کو زندہ کرنے کے خواہاں تھے۔ ان کے نزدیک جمہوریت معاشرے کے افراد کے باہمی عزت، خودداری، احترام، امن و ایمان اور آزادی کی پاسدار ہوتی ہے۔ اس میں تہذیب و تمدن، روایات، ثقافت اور عقائد کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اقبال مغربی جمہوریت کے خلاف ہیں کیوں کہ اس میں سرمایہ داری کی روح مزین ہے اور مغربی جمہوریت سرمایہ داری کی خامیاں اور برائیاں پائی جاتی ہیں۔ اس نظام سے اخوت اور بھائی چارے کی روح فوت ہو جاتی ہے اور انسانی رویوں کی پامالی کی جاتی ہے۔ طاقت ور قوتیں کمزور قوموں کو اپنا غلام بنانے کی کوشش کرتی ہیں جس سے معاشرے میں عدم اعتماد کی کیفیت جنم لیتی ہے۔ صنعت و تجارت کے ذریعے تہذیب و تمدن کو بھی کمزور کیا جاتا ہے اور ظلم و ستم کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔ مغربی جمہوریت نے دنیا میں عدل انصاف کی جگہ فتنہ و فساد اور بربریت کی ترویج کی ہے۔ اقبال اپنے اشعار میں مغربی جمہوریت کو کھل کر بیان کرتے ہیں:

وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغِ کار زاری ہے
تدبّر کو فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدّن کی بِنا سرمایہ داری ہے(۳)

اقبال کے نزدیک مغربی جمہوری نظام میں صرف وہی لوگ عہدہ کے حق دار ٹھہرتے ہیں جو مال دار اور سرمایہ دار ہوتے ہیں۔ وہ الیکشن میں کامیابی کے لیے پیسے کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں اور بے ضمیر لوگوں سے ووٹ خریدتے ہیں۔ مادہ پرست لوگ ہی مغربی جمہوری حکومت کی کرسی کے حقدار ہوتے ہیں۔ مغربی جمہوریت میں مذہبی اور اخلاقی قدروں کو پامال کیا جاتا ہے جب کہ اقبال اس طرح کی جمہوریت کے قائل نہیں ہیں جس میں انسانی فلاح و بہود کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ مغربی جمہوریت میں شماریات کے حساب کو اولیت دی جاتی ہے جب کہ وزن کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اقبال فرد فرنگی اور طرز جمہوریت کو اپنے اشعار میں پیش کرتی ہیں:

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!(۴)

اقبال نے جمہوری نظام حکومت کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور اس کی اصلیت کو خوب اجاگر کیا ہے۔ وہ جمہوریت کے مخالف نہیں تھے بل کہ حقیقی جمہوریت کے طرف دار ہیں۔ مغربی جمہوریت کے ڈانڈے ملوکیت ملتے ہیں اور ملوکیت میں افراد کے ذاتی اغراض کو ملحوض خاطر رکھا جاتا ہے۔ اس میں جبر و تشدد کے ذریعے مخالفین کو دبایا جاتا ہے۔ عوام کو دھوکا دے کر ہر وقت اثاثوں کو بڑھانے کی ترویج کی جاتی ہے۔ اقبال کے خیال میں مغربی جمہوریت میں ملوکیت کا نظام پنہاں ہے۔ اس بات کی وضاحت اقبال کی طویل نظم "سلطنت" اور "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں ہوتی ہے۔ اس ضمن میں اقبال کے اشعار دیکھیے:

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری(۵)
خیر ہے سلطانیِ جمہور کا غوغا کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے با خبر(۶)
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندرُوں چنگیز سے تاریک تر!(۷)

اقبال کی ذہنی کیفیات کو جاننے کے لیے ان کا نظریہ ءتصوف سے آگاہی بھی ضروری امر ہے۔ تصوف کی بنیاد قربِ الٰہی اور اللہ کی ذات میں گم ہونے پر منحصر ہے۔ اس نظریے میں حقیقت کے ادراک کے لیے وجدانی کیفیت سے گزرا جاتا ہے۔ اس میں انسان کے ظاہری حواس کے ساتھ ساتھ باطنی حواس بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ اقبال کے ہاں تصوف سے لگاؤ ان کی واثقی دین ہے۔ صوفیوں سے محبت کا پہلو آخری دم تک کارفرمارہا۔ انھوں نے اپنی نظم ونثر میں قرآن وحدیث سے بالاتر تصوف کی مخالفت کی ہے۔ جبر وانفعالیت سے مزین اور رہبانیت کا مرتکب تصوف اقبال کی نظر میں غیر فعال ہے۔ غار نشینی اور صحرانوردی تصوف کا خاصہ نہیں ہے بلکہ اس طرح زندگی سے گریز کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ دل کا بنجر ہونا عشق کا وصف نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی چاہت میں تمام کائنات سے محبت شامل ہے اور انسان کی خودی کی پرورش اسی میں پنہاں ہے۔ اسلامی تصوف میں مسلمانوں کے زوال اور احیائے اسلام کی ترویج کے لوازمات کی نشان دہی بھی ضروری ہے۔ اس سے انسانوں میں حقیقی بصیرت کا درس بھی واضح ہوتا ہے اور انسانوں کی محبت میں اللہ کے عشق کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ اقبال کے تصورات میں تصوف کی تعلیم خودی کا استحکام ہے جب کہ روایتی صوفیائے کرام میں یہ امر کمزور ہے۔ جس تصوف کی بنیاد میں توحید سے زیادہ الحاد کی کیفیت ہو، وہ اس قسم کے تصوف کے قائل نہیں ہیں۔ وہ رومی اور مجدد الف ثانی کے تصوف کے حامی ہیں کیوں کہ ان کا تصوف اسلامی شریعت سے مربوط ہے۔ حق بینی اور عشق آفرینی انسانی زندگی میں انقلاب کا باعث ہے۔ انسانی زندگی کی بنیادی قوتوں کو پروان چڑھانے کے لیے قرآنی نظریہ حیات پیروی بہت اہم ہے۔ عشق حقیقی خلوت نہیں ہے بلکہ جلوت میں موجود ہے۔ قرآن پاک میں دنیا و آخرت کی اصلاح کا سامان موجود ہے اور اس کی تکمیل پختہ ایمان اور عمل سے ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام سے عقیدت اور اقبال کی خودی کے ضمن میں پروفیسر محمد فرمان لکھتے ہیں:

> ”علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ مرحوم نے خودی کا درس دیتے ہوئے انسانی خودی کی تکمیل کے لیے ضبطِ نفس اور اطاعت پر زور دیا ہے۔ اسلامی تاریخ میں صوفیہ کرام کی زندگیاں ضبطِ نفس اور اطاعت شعاری کا کامل نمونہ پیش کرتی ہیں۔ علامہ مرحوم نے ان بزرگواروں کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور جن لوگوں نے روحانیت کو غیر اسلامی رنگ میں پیش کیا ہے، ان سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔“(۸)

اقبال تصوف کے ذریعے افراد کو حرکت اور عمل کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ ترکِ دنیا کی بجائے دنیوی معاملات کو حل کرنے کا درس دیتے ہیں۔ وہ تصوف سے پیار و محبت، دوستی، بھائی چارے، فلاح و بہبود، انسانیت کی ترویج اور امن و امان کا سبق دیتے ہیں۔ ایسا تصوف جس میں رہبانیت اور الحاد کی کارفرمائی ہو اور خودی کو ضعیف کرنے کا سامان ہو، وہ کبھی بھی تصوف کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ صوفیانہ واردات کو نفسیاتی طور پر سائنسی انداز میں پرکھنا چاہیے۔ قرآن میں بھی ”عالم تاریخ“ اور ”عالم فطرت“ کے تجزیہ پر زور دیا گیا

ہے۔ قرآن پاک کے مطالعہ سے دن اور رات کے تبدیل ہونے،چاند اور سورج کی حرکیات میں مسلمانوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ مسلمانوں کو زُنّار پوشی کو اپنے دلوں سے نکال دینا چاہیے اور توحید کی اہمیت کو اجاگر کرنا چاہیے۔ تہذیب و تمدن میں اسلامی روایات اور شریعت اسلام کی صحیح معنویت قرآن پاک میں مزین ہے اور یہی تصوف کی درست روح ہے۔ امت کو غیر ضروری روایات کو چھوڑ کر اسلامی تعلیمات کی پاسداری کرنی چاہیے۔ اُن خرافات سے دور رہنا چاہیے جن میں عجم گم ہے اور توحید پر ایمان رکھنے کی بجائے بتوں کی پجاری بنی ہوئی ہے۔ اس ضمن میں اقبال کے اشعار دیکھیے:

مسلماں ہے توحید میں گرم جوش
مگر دل ابھی تک ہے زُنّار پوش
تمدّن، تصوف، شریعت،
کلام
بُتانِ عَجم کے پُجاری تمام!
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمّت روایات میں کھو گئی(۹)

اقبال کے تصوف کے ضمن میں "ساقی نامہ"، "ہندی اِسلام"، "زُہد اور رندی" اور "اِبلیس کی مجلسِ شُوریٰ" جیسی نظمیں اہم ہیں۔ ان نظموں میں اقبال کے افکار و نظریات میں تصوف کی خوب وضاحت ہوتی ہے اور تصوف کی معنویت واضح ہوتی ہے۔ علامہ اقبال ایک بلند اقدار کے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم فلسفی اور قومی روایات کے علم بردار ہیں۔ ان کے نظریہ تصوف کی اصل بنیاد نظریہ خودی پر ہے۔ ان کی شعری عظمت اور عملی زندگی کے مطالعہ سے فقر کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ اسلامی فکریات میں "فقر" نظریہ خودی کو ترغیب دیتا ہے۔ "اسرار خودی" اقبال کی ایک اہم تصنیف ہے جس میں سب سے پہلے "نظریہ خودی" کو پروان چڑھایا گیا۔ ان کی شاعری میں نظریہ خودی اسلامی تصور کا ترجمان ہے۔ انھوں نے اپنے نظریہ خودی سے مسلم امہ کو بیدار کیا اور ان کی عظمت اور وقار کا شعور دیا۔ اقبال نے جہاں اپنے نظریات و تصورات میں مسلم قوم کو آگہی و شعور کا پیغام دیا ہے وہاں انسانیت کی بھلائی، عروج، سرفرازی اور بلند خیالی کا بھی درس فرمایا ہے۔

اقبال کے نظریہ خودی کا مطلب انا، غرور اور خود پسندی ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ انسان کو اپنی خودی میں ڈوب کر سراغِ زندگی کو پالینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ خودی فرد کی ترقی، تربیت اور انسانی زندگی کی حقیقت کو اجاگر کرتی ہے۔ خودی سے انسان کی آزادی، رازِ حیات، عزتِ نفس، شخصیت اور اپنی پہچان کا ادراک ہوتا ہے۔ اس سے پستی اور غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں اور برے عقائد و بوسیدہ روایات سے چھٹکارہ ممکن ہے۔ قومیں اس وقت زوال کا شکار ہوتی ہیں جب اپنی خودی کو بھلا دیتی ہیں۔ انسان اس دنیا میں اشرف المخلوقات ہے اور ساری کائنات کو اس کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنے اندر موجود صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور اپنی خودی کو درست سمت میں استعمال کرے۔ اقبال انسان کی سچی سوچ اور اس کے عمل کو درست معنوں میں پیش کرتے ہیں اور جس طرح کے اس کے اعمال ہوں گے ویسی ہی اس کی ترقی اور تنزلی کا معیار قائم کیا جائے گا۔ خودی کا معیار اللہ تعالی کی خوشنودی میں مزین ہے اور خودی کی اصل روح روحانی ہے۔ اس ضمن میں اقبال فرماتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے ،بتا تری رضا کیا ہے(۱۰)
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نُوری ہے نہ ناری ہے(۱۱)

خود کا لفظ فارسی زبان سے ماخوذ ہے اور پرانی لغت کی تصانیف میں اس کے دو معنی لیے جاتے ہیں۔ خود کے ایک معنی شعور اور دوسرے تکبر یا غرور کے ہیں۔ خودی کے نظریہ میں "خود کے شعور" کو ممتاز سمجھا جاتا ہے اور دوسرے معنی "تکبر اور غرور" کو رد کر دیا گیا ہے۔ اقبال تکبر اور غرور کی بجائے خودی کو اپنی ذات میں کائنات میں دوسروں کے احساس اور اجتماعی خودی کے تصور کو پیش کرتے ہیں۔ صدیوں سے ہمارے صوفیا میں "خود کا شعور" ابھرا ہے جس میں وہ خود کو مٹا کر رب کی پہچان کرتے ہیں۔ صوفیوں کے نزدیک خود کو مٹانا زندگی کی راحت ہے اور خدا کو پالینے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان کے یہاں "من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ" جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا" بہت اہم ہے۔ اقبال خودی کو ذات تک محدود نہیں کرتے بلکہ لامحدود کے خواہاں ہیں۔ ان کا یقین نفی خودی پر نہیں ہے بلکہ اثباتِ خودی پر ہے۔ وہ خودی کو وحدت وجدانی یا شعور کا روشن محرک تصور کرتے ہیں جس سے زندگی کو "پیہم رواں" رکھنے والی طاقت میسر ہوتی ہے، عالم اسباب و علل کی منتشری اور پراگندہ روحجانات کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ اقبال کے نظریہ خودی کے ضمن میں علی ظہیر منہاس لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ نظریہ خودی کو اقبال کی فلسفیانہ شاعری میں مرکزیت حاصل ہے۔ اقبال کی ہر نہج اسی محور کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ خودی عظمت آدم کی شناخت کا نام ہے۔ خودی خود حیات ہے۔ خودی عشق کے مترادف ہے۔ خودی جذبہ تسخیر کا نام ہے۔ خودی حقیقت میں خود آگاہی کا حاصل ہے۔ خودی تفسیر روح سے موسوم ہے۔ خودی تجلیات قلبی ہے۔ خودی سرچشمہ جدت و ندرت ہے۔ خودی یقین کی گہرائی ہے۔ خودی خلش عشق ہے خودی سوز حیات کا پرتو ہے۔ خودی ذوق تخلیق کی دریافت ہے۔ خودی تخلیق مقاصد سے عبارت ہے۔ خودی حرکت و حرارت سے مملو ہے۔ خودی زماں و مکاں پر تصرف کا ماحصل ہے۔"(۱۲)

اقبال کے نظریات و تصورات میں "نظریہ خودی" بہت افضل ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں خودی کی تبلیغ و ترویج کو پروان چڑھایا ہے۔ انسان کی خودی جب جاگ اٹھتی ہے تب اس کی منزلِ مقصود تک رسائی سہل ہو جاتی ہے۔ جس نے اپنی خودی کو پہچان لیا، اُس کے لیے دنیا کی ہر چیز عارضی اور غیر معمولی نوعیت کی ہو جاتی ہے۔ وہ کسی بھی صورت اپنی خودی کا سودا نہیں کرتا، حالات کیسے ہی ناساز کیوں نہ ہو وہ اس میں مطمئن رہتا ہے۔ اس ضمن میں اقبال فرماتے ہیں:

مرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے
خودی نہ بیچ ،غریبی میں نام پیدا کر!(۱۳)
خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں

تُو آبِ جُو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں(۱۴)

اقبال کی عملی زندگی میں حالات و واقعات سے بھی خودی اور فقر کی توضیح و تشریح ہوتی ہے انھوں نے اپنی زندگی میں حق گوئی اور راست بازی کو اپنایا اور بڑی حکمتِ عملی سے پیغامِ عمل کو عوام الناس کے سامنے کر کے دکھایا۔ ہر انسان کی زندگی میں حالات میں تغیر و تبدل پیدا ہوتا ہے اور اقبال نے بھی زندگی میں نشیب و فراز کا سامنا کیا، لیکن خودی کا دامن ہمیشہ برقرار رکھا۔ اقبال کا شمار دنیا کے عظیم شعرا میں ہوتا ہے کیوں کہ ان کی شاعری کا مقام اعلی، خاص آہنگ و رنگ اور خاص نظریہ پر منقسم ہے۔ ان کی شاعری میں فرضی حسن و عشق کی بجائے مقصدیت پر انحصار کیا جاتا ہے۔ شمع و پروانہ، گل و بلبل، قمری و سرو، شریں و فریاد جیسے مضامین کو ایک واضح نصب العین کے مطابق پیش کیا ہے۔ انسان کے اخلاقی اور مذہبی نصب العین کا اثبات بھی خودی میں مزین ہے۔ نظریہ خودی سے نیکی و بدی کے معمہ کو حل کیا جاسکتا ہے۔ ہر وہ شے جس سے خودی کو استحکام حاصل ہو وہ خیر ہے اور جو کمزور و لاغر کرے وہ شر ہے۔ اقبال نے اپنی تصانیف ''اسرار و خودی'' اور ''رموزِ بے خودی'' میں استحکامِ خودی اور اجتماعی مقصدیت کو فروغ دیا ہے۔ خودی میں تین منزلیں اتباعِ شریعت، ضبطِ نفس اور نیابت الہی اہم ہیں۔ خودی سے اللہ پر ایمان میں مضبوطی اور پختگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ عمل عقل سے ماورا ہو کر عشق کی بلندیوں کو چھو جاتا ہے۔ شاعرِ مشرق نے خودی کی ترویج کے لیے بہادری اور جرأت کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ انسان خودی سے خوف، ڈر، ناامیدی اور مایوسی کی زنجیروں کو توڑ کر حق گو، نڈر، بہادر اور سچ بات کہنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔ اقبال کا فلسفہ خودی ہر دور کے انسان کی زندگی میں حوصلہ اور ہمت کو بڑھا کر کامیابی و کامرانی کی طرف پیش قدمی ہے۔ اس سے قوموں کے وقار، عزتِ نفس، نفسیاتی تربیت، برتری اور اصلاح میں اضافہ ہوتا ہے۔ خودی کے ساز سے عمر جاوداں میں چراغ جل جاتے ہیں اور خودی سوز سے قوموں کے مستقبل روشن ہو جاتے ہیں۔ اسلامی قانون میں غور و فکر سے انکار دراصل اسلام کی اس بنیادی روح سے انحراف کے مترادف ہے جو انسان کو عقل، شعور اور فہم و تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ اسلامی نظامِ حیات میں قوانین کا بنیادی ماخذ **قرآنِ مجید** ہے، جو محض مذہبی ہدایات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے۔ قرآن ریاست، مذہب، سیاست اور اخلاق کو ایک مربوط اور منظم لڑی میں پروتا ہے اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو ایک وحدت کی صورت میں دیکھتا ہے۔ اس نظام میں جمود اور الحاد کی بجائے **تغیر، ارتقا اور حرکیات** کی کارفرمائی نمایاں ہے۔ اقبال کے نزدیک قرآن زندگی کو ایک جامد حقیقت نہیں بلکہ ایک **مسلسل تخلیقی عمل** قرار دیتا ہے، جس میں انسان کو بدلتے ہوئے حالات میں اپنے کردار اور ذمہ داریوں کا شعوری احساس ہونا چاہیے۔

اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عصرِ حاضر میں پیش آنے والے نئے مسائل کا حل محض ماضی کی تقلید میں نہیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں نئے فکری زاویے اختیار کرنے میں ہے۔ ان کے نزدیک اجتہاد اسلامی معاشرے کی فکری بقا اور عملی ترقی کے لیے ناگزیر ہے، کیونکہ یہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے اسلامی قانون کو ہر دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی قانون کا دوسرا اہم ماخذ احادیثِ رسول ﷺ ہیں۔ اقبال اجتہاد کے باب میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بالخصوص قانونی احادیث سے رہنمائی حاصل کی جائے، کیونکہ یہی احادیث عملی زندگی، ریاستی نظم اور معاشرتی معاملات میں براہِ راست رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ اجتہاد میں ان احادیث سے گریز کیا جائے جن کا تعلق براہِ راست قانون سازی سے نہیں، تاکہ اسلامی قانون کی تشکیل میں انتشار اور ابہام پیدا نہ ہو۔ مزید برآں، اقبال اجتہاد کے عمل میں فقہی اصولوں، بالخصوص اصولِ استحسان اور دیگر مسلمہ فقہی قواعد کو ملحوظ رکھنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قانونی غور و فکر محض نظری بحث نہیں بلکہ ایک

بااختیار اور ذمہ دارانہ عمل ہے، جس میں موجودہ حالات، سماجی تبدیلیوں اور عصری واقعات کا گہرا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اسی تناظر میں وہ احادیث کے مطالعے میں باریک بینی، فہمِ سیاق اور مقصدِ شریعت کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ فقہ کی از سرِ نو تشکیل کے بنیادی عناصر میں قرآن اور احادیث سے رہنمائی کو اقبال لازمی قرار دیتے ہیں۔ جن کی روشنی میں رسولِ اکرم ﷺ نے احکامِ قرآنی کی تعبیر فرمائی اور انسانی زندگی میں حیات، عدل، مساوات اور انسانی وقار کی قدر و قیمت کے واضح اصول قائم کیے۔ یہی اصول اسلامی قانون کو محض رسمی ضابطہ نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک اور انسانی فلاح پر مبنی نظام بناتے ہیں۔ اس طرح اقبال کا تصورِ اجتہاد نہ صرف اسلامی فکر کو جمود سے نجات دلاتا ہے بلکہ اسے عصرِ حاضر کے فکری اور سماجی چیلنجز کا سامنا کرنے کے قابل بھی بناتا ہے۔ ان کے نزدیک اجتہاد اسلامی معاشرے کے لیے فکری تازگی، تخلیقی قوت اور اخلاقی استحکام کا ضامن ہے، جو ایک متوازن، عادلانہ اور فلاحی نظامِ حیات کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، علامہ اقبال کا تصور ریاست اور دوسرے مضامین، بزم اقبال کلب روڑ، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۸۔۱۹

۲۔ عمر فاروق، شیخ، مرتب، الحکمتہ، جامعہ تدبر القرآن، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۷۴۷

۳۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۳۰۵

۴۔ ایضاً، ص ۶۶۰

۵۔ ایضاً، ص ۲۹۰

۶۔ ایضاً، ص ۴۰۳

۷۔ ایضاً، ص ۴۰۴

۸۔ محمد فرمان، پروفیسر، اقبال اور تصوف، بزم اقبال، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۴

۹۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، ص ۴۵۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۸۴

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۰۵

۱۲۔ علی ظہیر منہاس، خودی کی خودائی، مشمولہ، اقبال شناسی اور چراغاں، مرتبہ، ڈاکٹر سید اختر جعفری، بزم اقبال، لاہور، اشاعت ندارد، ص ۱۲۹

۱۳۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، ص ۴۷۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۷۶

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۴۳